

شاہ ولی اللہ اور مقام احسان

ڈاکٹر سعید اللہ قاضی

حضرت شاہ ولی اللہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ انھوں نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی فکر میں مثبت تبدیلی لانے کی جو کوششیں کیں، ان میں سے ایک کوشش مروجہ طرق تصوف میں اصلاح کی کوشش ہے۔ وہ تصوف کی تعریف، اس مقام احسان سے کرتے ہیں جس کا ذکر مشہور حدیث جبریلؑ میں ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور حضرت جبریلؑ نے اس کی تصدیق کی کہ احسان یہ ہے: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے، وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (مسلم)۔ یعنی انسان کی سوچ اس طرح بن جائے کہ خدا تعالیٰ کو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر دیکھے۔

احسان کسے پہلو

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مقام احسان پر فائز ہونے کے لیے انسان کو چاہیے کہ ہر وقت خدا کے حضور اپنی عاجزی، محتاجی اور بے بسی کو جانے اور اس کا اظہار کرے، خدا کی بڑائی ہر وقت اس کی نظر میں رہے۔ رذائل بشریہ سے ہر وقت اجتناب کرنے کی کوشش کرے، دنیا کو مقصد زندگی نہ بنالے بلکہ ایک اعلیٰ مقصد یعنی احسان کے حصول کا ذریعہ سمجھے۔

انسان میں یہ فکر اور سوچ پیدا کیسے کی جائے؟ اس کے لیے انھوں نے نبی کریمؐ کی اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے کہ ایک سماعت کی سوچ پچاس سال کی بلا غور و فکر عبادت سے بہتر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے ہاں سوچ و پکار اور فکر و تدبیر کی کئی قسمیں ہیں، اور ہر ایک قسم مقام احسان کے حصول میں مدد و معاون ہے۔ وہ خدا کی ذات کے بارے میں غور و فکر سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ انسان کی استعداد سے باہر کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ خدا کی نعمتوں اور اس کی صفات علم و قدرت اور حکمت و رحمت میں فکر و تدبیر کیا کرو۔ خدا کی ذات کو فکر و تدبیر کا موضوع نہ

بناؤ۔ اس قسم کے فکر و تدبیر کو وہ مراقبہ کہتے ہیں۔ جو لوگ مراقبہ کرنا چاہیں، انھیں وہ درج ذیل طریقوں کی تعلیم دیتے ہیں۔

۱۔ آیات اور احادیث پر توجہ مرکوز کرنا اور ان کا مسلسل ورد : بعض آیات اور

احادیث حسب ذیل ہیں :

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ، وَهُوَ تَحَارَى سَاتِھ ہے، جہاں بھی تم ہو۔ (الحديد ۵: ۴)

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ، کوئی ذرہ برابر چیز آسمان اور زمین میں لکھی نہیں ہے، نہ چھوٹی نہ بڑی، جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو۔ (یونس ۶۱: ۱۰)

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، يَقِينًا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ ۲: ۲۰)

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ، ہم اس (انسان) کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے

قریب ہیں (ف. ۵: ۱۶)

وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمٍ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ، اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہے۔ (الانعام ۵۹:۶)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ، وہ اپنے بندوں پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ (الانعام ۱۸:۶)

ان آیات کے معانی اور ان کے مفہوم پر ایسی طرح غور کرے اور دل میں بٹھائے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ کا اس ضمن میں ہرگز دخل نہ ہو۔ فقط اس بات کا استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات عالیہ کے ساتھ موجود ہے۔

اس نظر وحد بر کے لیے آدمی ایسا وقت منتخب کرے جس میں اس کو کسی چیز کا خیال نہ ستا رہا ہو نہ تو اس کو حوائج ضروریہ سے فراغت کی فکر لاحق ہو نہ وہ بھوکا اور پیاسا ہو وہ غصے کی حالت میں بھی نہ ہو۔ اور نہ ہی نیند اس پر غلبہ کر رہی ہو۔ گویا اس کا دل ہر قسم کی پریشانی اور خیال سے خالی ہو۔

ان آیات کے علاوہ اس دعاے ماثور کا اور داور اس پر غور و خوض بھی مراقبہ کا حصہ ہے: اَللّٰهُمَّ
لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مَعْطٰی لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ، اے اللہ جو تو دے اس کا کوئی روکنے
والا نہیں اور جو تو روکے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی مال اور کو تیرے عذاب سے اس کی مال

داری نہیں بچا سکتی۔ (بخاری)

۲۔ ذکر اللہ: تفکر و تدبر کے ساتھ ذکر اللہ بھی انتہائی ضروری ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: ذکر اللہ کے سوا دوسری باتیں زیادہ نہ کیا کرو کیونکہ اس سے سنگ دلی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بعید ترین چیز قلب قاسی (وہ دل جو رحم سے خالی ہو اور کسی اچھی بات کا اثر قبول نہ کرے) ہے۔ انسان جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل سے مختلف قسم کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو چشم سر سے دیکھ رہا ہے۔ انسان جب دنیاوی لذات میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اس کے اور اللہ کے درمیان ایک حجاب حائل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہے۔ اسی غفلت سے ہر برائی جنم لیتی ہے۔ یہی ہلاکت اور بربادی ہے۔ اور جب یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہتا ہے تو بندے کے لیے نجات کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہلاکتوں اور بربادیوں سے بچنے کا جو مکمل علاج تجویز کیا ہے وہ ہے مسنون طریقے سے ذکر اللہ۔ وہ اذکار حسب ذیل ہیں:

تسبیح: یعنی سبحان اللہ۔ تحمید: الحمد للہ۔ آپ نے فرمایا:

الحمد للہ شکر کی بنیاد ہے، اور شکر کا اظہار تین طرح ہوتا ہے۔ (۱) زبان سے اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف۔ (۲) دل سے اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا اعتراف اور (۳) اعضا اور جوارح کا اس کے احکام کے مطابق استعمال۔

تیسرا ذکر "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کا ہے جس سے شرک جلی اور خفی کی نشی ہوتی ہے۔ اس طرح اس کے ذریعے وہ حجابات دور ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ یہ کلمہ اس طرح بھی ہے: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"۔

چوتھا کلمہ "اللَّهُ أَكْبَرُ" ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ کلمہ زمین اور آسمان کے درمیان کو بھر دیتا ہے۔ دعا بھی تفکر و تدبر اور خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں، عزت اور ذلت، موت و حیات، بادشاہی اور گدائی، ضرر اور نقصان صرف اور صرف خدا کے لم یزل کے ہاتھ میں ہے۔ جس کا اظہار "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" سے اچھی طرح ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی الحاجات، شافی الامراض، دافع البلیات اور عجیب الدعوات جیسے کلمات سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا مومن کے ایمان کی علامت ہے۔

اذکار مسنونہ میں سے ایک استغفار بھی ہے: اسْتَغْفِرُ اللَّهُ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاتُوبُ إِلَيْهِ۔

ایک ذکر اسما حسی کا ہے: یا ارحم الراحمین، یا حی، یا قیوم، یا ستار، یا غفار۔

درود بھی ذکر ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهِ وَعِتْرَتِهِ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔

۳۔ افعال الہی میں تفکر و تدبیر / تذکیر بالاء اللہ: تفکر و تدبیر کی ایک اور قسم افعال الہی ہیں۔ قرآن نے بڑی تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور، دن اور رات کے آنے جانے اور گھٹنے پونے اور ان کی افادیت پر غور و فکر۔ اس عمل سے انسان کے دل میں یہ بات اتر جاتی ہے کہ یہ سب کچھ بلا مقصد پیدا نہیں ہوا۔ کائنات کے بارے میں قرآن پاک کی آیات کی تعداد ۷۶ ہے جو آسمانوں اور زمین، سورج اور چاند، ستاروں، درختوں، جانوروں، سمندروں وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ یہ انسان کے تفکر و تدبیر اور غور و فکر کا موضوع ہونا چاہیے۔

۴۔ تفکر و تدبیر فی ایام اللہ: ایام اللہ سے مراد وہ واقعات ہیں جن کا ذکر قرآن پاک نے کیا ہے اور جن میں قوموں کے عروج و زوال کے اسباب بیان ہوئے ہیں۔ ان سے آدمی کو یہ سبق ملتا ہے کہ ماضی میں بعض اقوام کن وجوہات کی بنا پر صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں، اگر وہ ہم میں بھی پیدا ہوں تو ہمارا بھی صفحہ ہستی سے مٹا یقینی ہے اور ماضی میں بعض اقوام کن وجوہات کی بنا پر ترقی سے ہمکنار ہوئی ہیں، وہ اگر ہم میں پیدا ہوں تو ہم بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

۵۔ تفکر و تدبیر فی الحیاة بعد الممات: اس کے بعد شاہ صاحب موت اور موت کے بعد کے حالات کے بارے میں تفکر و تدبیر کی ترغیب دیتے ہیں، تاکہ انسان کو یہ بات ہر وقت مستحضر رہے کہ اس دنیا کی زندگی عارضی ہے، ایک نہ ایک دن یہاں سے جاتا ہے۔ اس دنیا کی ہر چیز کے ساتھ انسان کا تعلق ختم ہوتا ہے، اس کے ساتھ صرف اس کا عمل باقی رہتا ہے۔ اگر اس کا عمل نیک اور اچھا ہے، تو اس ابدی زندگی میں خوش و خرم اور کامیاب ہو گا، اور اس کی شکل جنت کی صورت میں ہوگی اور اگر ساتھ رہنے والا عمل برا ہو گا تو وہاں اپنے برے اعمال کے نتائج سے دوچار ہو گا، جس کی عملی شکل دوزخ ہوگی۔

۶۔ تلاوت قرآن و فہم قرآن: شاہ صاحب قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے فہم کی بہت زیادہ تاکید کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ قرآن پاک اس تمام مواد کا منبع ہے جس پر غور و خوض اور تفکر و تدبیر ہونا چاہیے۔ انھوں نے تلاوت قرآن اور اس کے فہم کے فضائل کے بارے میں بے شمار روایات نقل کی ہیں۔ انھوں نے آیۃ الکوسی، سورہ حشر کی آخری آیات اور سورہ اخلاص کے ورد پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ تلاوت قرآن پاک سے کبھی بھی غفلت نہیں برتنا چاہیے۔ قرآن پاک ترتیل، خوش الحانی اور فہم کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

تین دن مقرر کی ہے۔

۷۔ صاف اور خالص نیت: انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا دار و مدار اس کی نیت پر ہے۔ اگر نیت صاف ہے تو اس کا عمل خدا کے ہاں مقبول ہے۔ انسان کے ہر عمل میں للبیت کا ہونا ضروری ہے۔ صحیح نیت اعمال کے لیے اس طرح ضروری ہے جس طرح بدن کے لیے روح۔ وہ کہتے ہیں کہ ریا اور دکھاوا انسانی عمل کی بربادی کے بہت بڑے اسباب ہیں۔ ریا درحقیقت شرک کی ایک قسم ہے۔ شاہ صاحب اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جو شخص ایک عمل بر ملا اس ارادے سے کرتا ہے کہ لوگ اس سے سبق اور ترفیب حاصل کریں گے، تو یہ بڑے ثواب کا کام ہے، مگر ایسا کرنے میں للبیت بہت ضروری ہے۔

۸۔ حسن خلق: شاہ صاحب کے تصوف میں حسن خلق کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر حسن خلق ہے کیا چیز؟ وہ کہتے ہیں کہ حسن خلق یہ ہے کہ انسان فیاض ہو، کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرے، غلو و درگزر سے کام لے، تواضع اور انکساری اس کا شیوہ ہو، کسی کے خلاف دل میں حسد نہ رکھے، کسی سے نفرت نہ کرے، بے جا غصے سے کام نہ لے۔ حسن خلق میں یہ بھی آتا ہے کہ انسان خدا کی ہر مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور محتاجوں کی حاجت روائی کرے، اور مفلس، لاچار اور معذور لوگوں کا خیال رکھے۔

۹۔ حفاظت زبان: خدا کے ساتھ تعلق کے قیام یا انقطاع میں زبان بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے انہوں نے زبان کے معراثرات سے بچنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ اس میں 'فضول گفتگو'، 'یا وہ گوئی'، 'جھوٹ'، 'بہتان'، 'نہایت'، 'جھجلی'، 'گالی گلوچ'، 'فحش کلام' اور کسی کو برے ناموں سے پکارنا یہ سب اعمال انسان کا تعلق نہ صرف خدا سے بلکہ انسان کا تعلق انسان سے بھی کاٹتے ہیں یا کمزور ضرور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ان سب سے بچنے کا حکم دیا ہے:

۱۔ خواہشات کی غیر شرعی تکمیل سے اجتناب اور زہد کا مفہوم: خدا کے ساتھ انسان کا تعلق توڑنے یا کمزور کرنے میں انسانی خواہشات کی بلاتامل تکمیل بھی بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے شاہ صاحب نے ان کی تکمیل میں بہت احتیاط سے کام لینے کی تاکید کی ہے۔ اس کو وہ زہد مشروع کہتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ نفس کی جائز خواہشات کا ترک زہد نہیں، 'ربانیت' ہے۔ زہد یہ ہے کہ انسان شرع کے مطابق اپنے نفس کی جائز خواہشات کی تکمیل ضرور کرے، مگر نہ نفس کی غلامی کرے نہ اس میں اس قدر مشغول ہو کہ خدا کے ساتھ اس کا تعلق بالکلیہ ختم یا کمزور ہو جائے۔ زہد غیر مشروع

یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر حلال چیز حرام کرے یا اپنے مال کو ضائع کرے یا دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو جائے۔ زہد مطلوب یہ ہے کہ جو کچھ بھی انسان کے پاس ہو اس کے مقابلے میں انسان کا بھروسہ خدا کے فضل و کرم پر ہو، اگر وہ کسی مصیبت کا شکار ہو جائے تو اس پر شور و فغاں نہ کرے بلکہ اس مصیبت کے بدلے جن جن انعامات کی خوش خبری دی گئی ہے ان پر زیادہ سے زیادہ خوش ہو۔

۱۱۔ قناعت: قناعت کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ انسان حرص اور لالچ جیسی منفی صفات کا مقابلہ کرے یا ان کے مقابلے میں جو دوسخا سے کام لے۔ اگر انسان کسی کے مال کا لالچ نہ کرے اور وہ اس کو بن مانگے ملے تو اس کو رد کرنا یا نہ لینا قناعت نہیں ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: ”اس میں کوئی شک نہیں کہ مال ایک محبوب اور ذمہ من پسند چیز ہے مگر جو آدمی سیرچشم ہو اور اس کے پاس مال ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیتے ہیں اور جو لوگ اس کو حرص اور لالچ سے حاصل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہیں ڈالتے۔ اس لیے انسان لالچ اور سوال کسی حالت میں نہ کرے اور نہ مال کے ساتھ دلی لگاؤ پیدا کرے۔ مال کی محبت جب کسی پر سوار ہو جاتی ہے تو اس کا تعلق خدا کے ساتھ بڑی مشکل سے قائم ہوتا ہے۔ مال کوئی بری چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی بست بڑی نعمت ہے، قرآن نے اس کو خیر اور فضل کہا ہے۔“

۱۲۔ تکبر اور خود پسندی سے اجتناب: تکبر اور خود پسندی لوگوں کو حقیر جاننے کا سبب بنتے ہیں۔ جب نفس یہ عادت قبول کر لیتا ہے تو پھر یہ دوسرے لوگوں پر ظلم کرنے اور ان کو ذلیل سمجھنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتا۔ یہ فساد معاشرہ کا سبب بنتا ہے۔

۱۳۔ صبر: صبر ان اسباب کے تابع نہ ہونے کا نام ہے جن سے آرام یا پریشانی ہوتی ہو یا اتباع خواہش نفسانی، تکبر اور قطع محبت پیدا ہوتی ہوں۔

۱۴۔ عدالت: عدالت میں گھر والوں کے ساتھ محبت، اہل محلہ کے ساتھ نیک برتاؤ، شر والوں کے ساتھ حسن معاشرت، بزرگان دین کی توقیر و اکرام اور ہر ایک کے مرتبے کا لحاظ رکھنا وغیرہ شامل ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے اَلْمُسْلِمُ مِّنْ سِلْمِ الْمُسْلِمِ ذِي لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ، مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے معجزات سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَسْلِمُهُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ اَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر زیادتی کرتا ہے اور نہ اس کو ظالم کے حوالے کرتا ہے جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔

یقین کا مفہوم اور اس کی اہمیت

ان تمام اہم امور کا احاطہ کرنے کے بعد شاہ صاحب یقین کی طرف آتے ہیں اور توحید، اخلاص، توکل، شکر، انس اور ہیبت وغیرہ کو اس کے شعبے شمار کرتے ہیں۔

یقین اور ایمان دو مترادف الفاظ ہیں۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق ”یقین سراسر ایمان ہے“ شاہ صاحب کے ہاں یقین یہ ہے کہ آدمی اسلامی تعلیمات پر، جن میں تقدیر، معاد، اور جزا و سزا پر بلا جھجک ایمان بھی شامل ہیں، اس طرح ایمان لائے جس کے بعد عقل کو اس میں فلسفے ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ اس کی فکری قوتیں ان عقیدوں کے تصور سے بھر جائیں۔ کسی اور چیز کے لیے ان میں گھسنے کی گنجائش نہ رہے۔ اس طریقے سے انسانی عقل کی تہذیب ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ انسانی نفس اور قلب کی تہذیب کی صورت میں ظہور پذیر ہو گا۔

انسان زندگی میں جن چیزوں سے عادتاً ڈرتا ہے، قلب اور نفس کی اس تہذیب کے بعد انسان کے دل میں ان کا کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ اس کو ملنے یا پیش آنے والا ہے اس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی اور جو کچھ اس کے مقدر میں نہیں ہے وہ اسے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی دینے پر قادر نہیں ہے۔

ایسا شخص اسباب کی ظاہری کثرت اور قوت سے بالکل خائف اور پریشان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کو یہ کامل یقین ہوتا ہے کہ عالمین میں تصرف صرف اللہ کی قدرت کاملہ کا ہے اور صرف اسی کا ارادہ ہمیشہ اور ہر حال میں نافذ العمل رہتا ہے۔ اسباب محض عادی ہیں۔ ان کو بروئے کار لانا بے شک سنت اللہ سے مگر ان کی پشت پر ایک مسبب الاسباب (خدا) موجود ہے۔

یقین کسے شعبے

۱۔ شکر: شکر یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دیا ہے۔ ان کے حصول اور سب میں اس کا کوئی بھی ذاتی کمال نہیں ہے۔ اس یقین سے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور وابستگی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ذاتی کمالات کے باوجود وہ خدا کی ہر نعمت کو اپنے آپ پر خدا کا احسان سمجھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو سربا محتاج اور عاجز سمجھتا ہے اور خدا کی حمد و ثناء میں ہر وقت مصروف رہتا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی نعمت سے متعلق اس کی زبان پر ہمیشہ یہ کلمہ جاری رہتا ہے کہ ”ہذا من فضل ربی“ یا ”وما بکم من نعمة فمن الله“۔

۲۔ توکل: توکل یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ کے تصرف کامل پر یقین اس قدر پختہ ہو جائے کہ اسباب ظاہری پر اس کا اعتماد بالکل اٹھ جائے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب اور

مسببت کا جو نظام قائم کیا ہے اس کو توڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اسباب کو بروئے کار ضرور لائے اس لیے کہ یہ سنت اللہ میں سے ہیں مگر اسباب پر بھروسہ نہ کرے اور اسباب کی پشت پر ایک مسبب الاسباب کا وجود تسلیم کرے اور اسے اپنے ایمان کا ایک حصہ بنالے۔

۳۔ ہیبت: ہیبت سے مراد انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا یقین راسخ ہونا ہے جس کے بعد یہ تصور ہر وقت اور ہر حال میں اس کے دل میں جاگزیں ہو اور وہ اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں ہچکچھنے لگے۔

۴۔ حسن ظن اور انس: ایک اور مفید نتیجہ ”حسن ظن“ ہے جس کو صوفیائے کرام کی زبان میں مقام انس کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن انسان میں یہ استعداد پیدا کرتا ہے کہ اس کی رحمتیں اور مہربانیاں اس پر نازل ہوں۔ اور وہ پھر اس حدیث شریف کا عملی مصداق بن جائے کہ ”إِنَّا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيَّيْ“ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے ظن کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔

۵۔ تفرید: تفرید سے مراد یہ ہے کہ خدا کی یاد انسان کے قولے اور اکیہ پر اس طرح چھا جائے گویا کہ وہ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے بر ملا دیکھ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل میں برے خیالات کا آنا بند ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد بندے کے بوجھ کو اس کے کندھے سے اتار کر پھینک دیتی ہے۔

۶۔ اخلاص: اخلاص یہ ہے کہ انسان کے ہر عمل میں للہیت پیدا ہو اور اس کا ہر عمل صرف اور صرف خدا کی خوشنودی اور رضا کے لیے ہو۔ ایسے فرد کو قرآن کی اصطلاح میں محسن کہتے ہیں۔ اخلاص سے انسان کے اندر عبادت کا ایک زبردست داعیہ پیدا ہو جاتا ہے جس میں ریا اور دکھاوے کی مطلق آمیزش نہیں ہوتی، یہاں تک کہ افعال عادیہ میں بھی پھر اخلاص ہی اخلاص نظر آتا ہے۔

احوال

شاہ صاحب اس کے بعد ان احوال کا ذکر کرتے ہیں جو یقین کے بعد ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض احوال کا تعلق عقل سے، بعض کا قلب سے اور بعض کا نفس سے ہوتا ہے۔

حلاوت: ان احوال میں سے ایک عبادت اور دعا میں حلاوت کا محسوس ہوتا ہے۔ آدمی نماز اس طرح پڑھے کہ اس کے دل میں نماز کے علاوہ کوئی اور خیال در نہ آئے۔ اسی طرح انسان ہر وقت محاسبے کی حالت میں رہے۔ آپ نے فرمایا: عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے۔ اور نفس کو مطیع کرے اور آخرت میں صلاح پانے کے لیے نیک عمل کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے

کہ انسان روزانہ سونے سے پہلے اپنے نیک اور بد اعمال کا جائزہ لے۔

حیا: ان احوال میں سے ایک حیا ہے۔ اس کا تعلق نفس سے ہے۔ جب انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے جلال اور کبریائی سے معمور ہوتا ہے اور وہ اس کو ہر وقت اپنے پاس مکمل یقین کے ساتھ موجود سمجھتا ہے تو وہ پھر ایسا کام نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور کبریائی اور حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے سے متصادم ہو مثلاً وہ پھر کسی بھی برائی کے قریب نہیں پہنکتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

شکر: احوال قلب میں سے ایک شکر ہے۔ ایمان اور یقین انسان کی عقل اور قلب پر اس حد تک غالب آجائیں کہ وہ دنیا کے مصالح و مضار سے بے پروا ہو جائے اور ایسی چیزوں سے محبت کرے جن سے عام حالات میں محبت نہیں کی جاتی اور وہ یہ سب کچھ رضائے الہی کے خاطر کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ اس روایت کا مصداق بن جاتا ہے کہ "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ"۔

خشیت: قلب کے احوال میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اللہ کی عبادت کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دے اور اس کے دل میں خدا کا خوف اس قدر جاگزیں ہو کہ اس پر رونے اور کپکپی کی حالت طاری ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا: جو شخص تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایے میں جگہ دے گا۔ یا جو آدمی خدا کے خوف سے تھوڑی دیر کے لیے روتا ہے۔ وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتا ہے۔

توبہ: ان احوال میں سے ایک توبہ ہے۔ انسان کمزور ہے، اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے، لیکن گناہ کے سرزد ہونے کے بعد خدا کی طرف رجوع کرنا اور اپنے کیے ہوئے گناہ پر پشیمانی کا اظہار کرنا توبہ کہلاتا ہے۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر مہربان ہے۔ لیکن ایک دفعہ توبہ کرنے کے بعد اس گناہ پر اصرار اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے۔ انسان اگر صحیح معنوں میں اپنے گناہوں سے توبہ کرے تو اللہ کے ہاں شرک کے علاوہ ہر گناہ قابل معافی ہے۔

کتبیات

- ۱۔ قرآن پاک
- ۲۔ الطاف القدس - شاہ ولی اللہ
- ۳۔ انتخاب فی سلاسل اولیاء اللہ - شاہ ولی اللہ
- ۴۔ انفاس العارفین - شاہ ولی اللہ
- ۵۔ حجت اللہ البالغہ - شاہ ولی اللہ
- ۶۔ الفوز الکبیر - شاہ ولی اللہ
- ۷۔ قول جمیل - شاہ ولی اللہ
- ۸۔ سطحات - شاہ ولی اللہ
- ۹۔ بمعات - شاہ ولی اللہ
- ۱۰۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ - مولانا عبید اللہ سندھی

۱۱۔ اخبار الاخیار - مولانا عبد الحق دہلوی